اداریہ

خورشید احمد ندیم

اجتہاد کسی نظری بحث سے زیادہ ایک عملی مسئلہ ہے۔ اپنے دینی تشخص کے بارے میں حساس ایک فرد یا ریاست جب کسی ایسے مسئلہ سے دوچار ہوتے ہیں، جس کا کوئی واضح حل انہیں قرآن وسنت میں نہیں ملتا تو پھر وہ اجتہاد کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ وہ درپیش مسئلہ کو اہل علم کے سامنے رکھتے ہیں، جو اس پر غور کرتے ہیں کہ اگر یہ مسئلہ نزول وحی کے وقت یا دور رسالت میں سامنے آتا تو شارع کا جواب کیا ہوتا۔ وہ قرآن وسنت میں کسی متماثل معاملے کو سامنے رکھتے ہوئے، زیر نظر مسئلے کے بارے میں قیاس کرتے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہے کہ اجتہاد ایک متحرک زندگی کا مسئلہ ہے۔ ایک غیر متحرک معاشرے کو کسی اجتہاد کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری تاریخ میں یہ معاملہ اسی وقت پوری شد ومد کے ساتھ سامنے آیا جب مسلمانوں کا عملی نوعیت کے کسی مسئلے سے سامنا ہوا۔

تاریخی پس منظر میں اگر اس امت اور بالخصوص اس خطے کی ملتِ اسلامیہ کے حوالے سے دیکھیے تو دور جدید میں اجتہاد کا مسئلہ اس وقت زیر بحث آیا جب نوآبادیاتی دور کے بعد مسلمان ریاستیں آزاد ہونا شروع ہوئیں اور انہیں ایک نئے نظام کی تشکیل کے چیلنج کا سامنا کرنا پڑا۔ برصغیر میں یہ امتیاز علامہ اقبال کو حاصل ہے کہ انہوں نے آزادی کے لیے متحرک مسلمان قوم کو اس جانب متوجہ کیا کہ آزاد ہونے کے بعد اگر انہیں اپنے تہذیبی وجود کو قائم رکھنا ہے تو انہیں اجتہاد کا راستہ اپنانا ہوگا۔ انسان کے فکری وتمدنی ارتقاء نے بعض نئے مسائل کو جنم دیا ہے، جو اس دور میں موجود نہیں تھے، جب ہماری زندگی متحرک تھی اور مسلمان فقہاء نے مسند اجتہاد کو آباد کر رکھا تھا۔ دور غلامی میں چونکہ زندگی غیر متحرک ہو جاتی ہے، اس لیے اجتہاد کے دروازے بھی کئی سو سال تک بند رہے۔ ایک فرد کی محدود زندگی میں اجتہاد کی جتنی ضرورت تھی، اس کیلئے بستیوں میں موجود دارالافتاء کفایت کرتے رہے۔ اب آزادی کے بعد اگر مسلمانوں کو پھر سے ایک اجتماعی زندگی کو وجود میں لانا ہے، تو ان کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ وہ ان بند دروازوں کو پھر سے کھولیں۔

علامہ اقبال کا معاملہ یہ تھا کہ وہ ایک مفکر تھے، جنہوں نے کبھی مجتہد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ انہوں نے جس ڈھنگ سے زندگی گزاری وہ خود اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ انہوں نے دانستہ اپنے لیے اس منصب کا انتخاب کیا تھا۔ ایک مختصر عرصہ کے لیے وہ عملی سیاست میں سرگرم رہے لیکن جلد ہی انہوں نے اس سے کنارہ کر لیا۔ انہوں نے خود کو اس بات کے لیے خاص کر لیا کہ وہ ملت کو درپیش سیاسی وفکری مسائل کی طرف متوجہ کریں گے اور جو لوگ کسی ایسے کردار کے اہل ہوں گے، انہیں اس بات کے لیے قائل کریں گے کہ وہ عملاً میدان میں اتریں۔ مسلمان قوم کی سیاسی راہنمائی کے لیے ان کی نظر انتخاب محمد علی جناح پر پڑی اور مذہبی ودینی معاملات کے لیے انہوں نے مولانا انور شاہ کاشمیری جیسے جید علماء کو توجہ دلائی۔ ایک نئے اجتماعی نظام کی تشکیل کے سفر میں مسلمانوں کو جن سوالات پر غور کرنا ہوگا، ان کی نشان دہی انہوں نے اپنے معروف خطبے ''الاجتہاد فی الاسلام'' میں کی۔

آزادی کے بعد ریاست کی سطح پر بعض کاوشیں سامنے آئیں، جن کے بارے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ علامہ اقبال کے اسی خطبے کی صدائے بازگشت تھی، جیسے ۱۹۶۰ء میں ادارہ تحقیقات اسلامی کا قیام جس کے پہلے ڈائریکٹر ڈاکٹر اشتیاق حسن قریشی اور دوسرے ڈاکٹر فضل الرحمٰن۔ یہ ادارہ اسلامی نظریاتی کونسل کی معاونت کیلئے قائم کیا گیا تھا۔ اسی طرح بعض اہل علم نے اپنے خیالات کے مطابق پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کی جدوجہد کی تو انہوں نے بھی اجتہاد کے مسئلہ کو اپنا موضوع بنایا۔ تاہم دونوں طرح کی کاوشیں بوجوہ کسی نتیجہ خیزی سے محروم رہیں۔ ۱۹۸۰ء میں جب ریاست کی اسلامی تشکیل کے لیے حکومت کی طرف سے گرم جوشی کا اظہار ہوا اور اس کے نتیجے میں بعض نئے قوانین نافذ ہوئے، جن میں حدود کے قوانین سب سے اہم ہیں تو اجتہاد کا مسئلہ پوری شدت کے ساتھ ایک بار پھر زیر بحث آیا۔ اس قانون سازی کے حوالے سے حدود اور غیر سودی مالیاتی نظام کیلئے قیام جو اقدام اٹھائے گئے، ان سے یہ واضح ہوا کہ علامہ اقبال نے جن مسائل کی نشان دہی کی تھی، وہ کتنے اہم ہیں اور انہیں مخاطب بنائے بغیر، محض قدیم فقہی کتب پر انحصار کرتے ہوئے ایک جدید مسلمان معاشرے کی تشکیل ممکن نہیں۔ اس سارے معاملے کی تفہیم کیلئے اس بحث پر ایک نظر ڈال لینا کافی ہوگا جو حال میں حدود قوانین کے ضمن میں ہمارے ہاں جاری رہی۔

اجتہاد اگر متحرک زندگی کا مسئلہ ہے تو یہ تصور فی نفسہ اس بات کا متقاضی ہے کہ اسے ایک مسلسل عمل قرار دیا جائے دوسرے لفظوں میں معاشرتی وریاستی سطح پر ایسے افراد اور ادارے موجود رہیں، جو روز مرہ آنے والی تبدیلیوں پر نظر رکھیں اور ریاستی قوانین ومعاشرتی روایات کا اس حوالے سے جائزہ لیتے رہیں کہ وہ بدلتے حالات میں فرد اور اجتماعیت کی اسلامی شناخت کو برقرار رکھنے کیلئے کس حد تک معاون ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک طرف

روایت کے ساتھ ہمارا تعلق برقرار رہے اور دوسری طرف ہم روح عصر سے بھی پوری طرح مربوط رہیں۔

۱۹۶۲ء میں جب ریاستی سطح پر اسلامی نظریاتی کونسل کا ادارہ وجود میں آیا تو پارلیمنٹ نے اسے یہ ذمہ داری سونپی کہ قانون سازی کے عمل میں اسے جب بھی دینی پہلو سے مشاورت کی ضرورت ہوگی تو یہ ادارہ یہ خدمت سرانجام دے گا۔ دوسرے لفظوں میں ریاست کی طرف سے ''اجتماعی اجتہاد'' کے لیے یہ ادارہ قائم کیا گیا۔ اس ذمہ داری کا ایک حوالہ تو قانون سازی میں مشاورت ہے، جس کا تعلق پارلیمنٹ اور حکومت سے ہے اور دوسرا حوالہ معاشرتی ہے، جس کا تعلق سماج کے ساتھ ہے۔ یعنی معاشرہ اس بارے میں باخبر رہے کہ یہ ادارہ کیا خدمت سرانجام دے رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مختلف ادوار میں نئے درپیش مسائل پر جو اجتہادی آراء، اداراتی اور انفرادی سطح پر سامنے آرہی ہیں، ان سے بھی معاشرے کو باخبر رکھا جائے۔ ''اجتہاد'' اسی معاشرتی ذمہ داری کو ادا کرنے کی ایک کوشش ہے۔

''اجتہاد'' کے زیرنظر شمارے میں علامہ اقبال کے خطبے ''الاجتہاد فی الاسلام'' کو مرکزیت حاصل ہے۔ اس کی ایک وجہ ہے جو واضح ہے۔ قیام پاکستان برصغیر کی ملت اسلامیہ کی جدید تاریخ کا نقطہ آغاز ہے۔ اس نئے دور میں ''اجتہاد'' کی ضرورت کو پہلی مرتبہ علامہ اقبال نے واضح کیا، اس لیے اس نئے تاریخی پس منظر میں جب بھی اجتہاد کی بات ہوگی، یہ خطبہ اس کا پہلا حوالہ قرار پائے گا۔ اس شمارے میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اس خطبے کے بعد یہ مسئلہ اہل علم میں جس طرح زیر بحث آیا، اس کی ایک جھلک سامنے آئے اور اس میں جو سوالات اٹھائے گئے تھے، ان کے حوالے سے دیگر اہل علم نے جن آراء کا اظہار کیا، پڑھنے والے کو ایک حد تک ان سے آگاہی ہو۔ اس طرح ''اجتہاد'' کی یہ بحث اپنے نقطہ آغاز سے ایک تسلسل کے ساتھ دور حاضر سے مربوط ہوجائے۔

''اجتہاد'' کے حوالے سے علامہ اقبال کے زیرنظر خطبے سے چند اہم سوالات سامنے آئے، مثال کے طور پر:

۱- دور جدید میں اجتہاد ایک انفرادی معاملہ ہے یا اجتماعی؟
۲- ایک مسلمان ریاست میں کیا پارلیمنٹ کو حق اجتہاد حاصل ہے؟
۳- آج اجتہاد مطلق کی ضرورت ہے یا اجتہاد فی المذہب کی؟
۴- اجتہاد کے لئے نصوص کی تفسیرِ قدیم کفایت کرتی ہے یا آج نصوص کی تفہیمِ نو کی ضرورت ہے؟
۵- ایک اسلامی ریاست کے لیے کیا جمہوری ہونا بھی ضروری ہے؟

خطبۂ مذکورہ اور اس کے ضمن میں اٹھنے والے یہ سوالات، اسی وقت سے زیر بحث ہیں، جب اس خطبے کی پہلی مرتبہ بڑے پیمانے پر اشاعت ہوئی۔ اگرچہ اس کی تائید میں بھی اہل علم نے آواز اٹھائی لیکن ایک شدید ردعمل روایتی مذہبی طبقے کی طرف سے بھی سامنے آیا۔ مولانا عبدالماجد دریابادی جیسے علماء نے اس کی شدید مخالفت کی۔ مولانا سید سلیمان ندوی جیسے اقبال کے مداح کی یہ رائے بھی بیان ہوئی کہ اقبال یہ خطبات نہ لکھتے تو اچھا تھا۔ حال ہی میں ان کے جو امالی ایک واسطے سے سامنے آئے ہیں، ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان خطبات کو کفر والحاد کا مجموعہ قرار دیتے تھے۔ کراچی کے ایک ماہنامے ''ساحل'' میں حضرت مولانا کے ایک خلیفہ ڈاکٹر غلام محمد کے امالی شائع ہوئے، جو راوی کے بقول خود سید صاحب نے املاء کرائے تھے۔ سید سلیمان ندوی کی طرف ان امالی کی نسبت کو کئی ماہرین اقبالیات نے شک کی نظر سے دیکھا ہے۔ ہمارے نزدیک اگر اس پہلو سے صرف نظر کرلیا جائے، تو بھی یہ امالی اس لحاظ سے قابل ذکر ہیں کہ ان سے خطبات اقبال کے بارے میں روایتی مذہبی طبقے کی سوچ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اسی وجہ سے ہم ان امالی کا وہ حصہ شامل اشاعت کررہے ہیں، جو مذکورہ خطبے اور اس ضمن میں اٹھنے والے سوالات سے متعلق ہے۔ اقبال اکیڈمی کے بعض ذمہ داران نے اس کا جو جواب دیا ہے، وہ بھی نقل کیا جارہا ہے تاکہ دونوں طرف کے دلائل سامنے آجائیں۔

علامہ اقبال کا خطبہ اور اس کے پس منظر میں سامنے آنے والی بعض تحریریں اس پہلے شمارے کا مرکزی حصہ ہیں، جس سے یہ بحث دور حاضر سے مربوط ہوجائے گی۔ اس کے ساتھ اس شمارے میں ایک برادر اسلامی ملک مراکش میں جاری اجتہاد اور اس کے نتیجے میں عائلی قوانین کی تدوین نو کی کوششوں کے بارے میں معلوماتی تحریریں شامل ہیں جن سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ معاصر اسلامی دنیا میں اجتہاد کی روایت کیسے آگے بڑھ رہی ہے۔ علاوہ ازیں ملائشیاء میں زیرغور حدود قوانین پر جو تنقید ہو رہی ہے اس کے بارے میں ایک کتاب پر تبصرہ بھی شامل اشاعت ہے جسے انفرادی اجتہاد کے حوالے سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اس سے مقصود بھی یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ اس بات سے باخبر رہے کہ دیگر مسلمان معاشروں میں لوگ ان مسائل پر کس طرح غور کر رہے ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے ریاستی قوانین کی اسلامی تشکیل کے بارے میں جو سفارشات دی ہیں، وہ بھی اس شمارے کے مندرجات کا حصہ ہیں۔ آنے والے شماروں میں مرکزی حصہ تبدیل ہوجائے گا لیکن دیگر عنوانات مستقل ہیں۔

''اجتہاد'' کے لیے ایک سازگار ماحول ناگزیر ہے۔ یہ سازگار ماحول اسی وقت وجود میں آسکتا ہے، جب ہم آزادی رائے کو بنیادی انسانی قدر شمار کریں اور اختلاف رائے کا احترام کریں۔ گویا یہ اسی دور کا احیاء ہوگا جب ایک وقت میں کئی ائمہ فقہ موجود تھے، جو اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔ آج ہمیں پھر اسی جذبے کی ضرورت ہے جس کا اظہار امام شافعی نے ان الفاظ میں کیا تھا کہ ''میں اپنی بات کو درست کہتا ہوں لیکن اس میں غلطی کے امکان کو تسلیم کرتا ہوں، میں دوسرے کی بات کو غلط سمجھتا ہوں لیکن اس میں صحت کا امکان تسلیم کرتا ہوں''۔ ''اجتہاد'' اسی جذبے کو زندہ کرنے کی ایک کوشش ہے۔ یہ کوشش کیسے نتیجہ خیز ہوسکتی ہے، اس کے لیے پڑھنے والوں کی رائے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ہم آپ کی تنقید اور تجاویز کا خیر مقدم کریں گے۔

خورشید احمد ندیم

مہمان مدیر